استحکام خاندان اور مثبت فکر

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس*

خلاصہ:

خاندانی نظام کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنا رویہ مثبت رکھے۔ مثبت رویے سے افراد کے درمیان باہمی اعتماد بڑھتا ہے اور نفاق کا خاتمہ ہوتا ہے۔ تعلیماتِ نبوی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ رویوں کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں ایسے الفاظ اور اصطلاحات بھی رائج کی جانی چاہیے جو مثبت فکری رویے کو فروغ دیں۔ افراد کے نام رکھنے میں اسلامی تعلیمات کا انداز اپنانے کی تاکید اور نام بگاڑنے کے حوالے سے قرآنی ممانعت بھی اسی مثبت فکری رویے کی ترویج کی علامت ہے۔ اس مقالے میں خاندان کے استحکام میں مثبت فکری رویوں کے حوالے سے جائزہ پیش کیا جائے گا۔

اسلام کا مجموعی مزاج مثبت فکری کا ہے۔ اسی مزاج کا اطلاق خاندان کے مسائل پر ہوگا۔ اگر خاندان اور اس کے مسائل کے حوالہ سے تعلیمات نبوی ﷺ اور واقعات سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو سب سے یہ حقیقت ہی عیاں ہوتی ہے کہ معاملات کو کس تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ اس مقالہ میں اسلام کے مجموعی مزاج کے ذکر کے بعد خاندان کے حوالہ سے قرآنی تعلیمات کا ذکر کر کے خاندانی معاملات میں اس کی اہمیت اور افادیت کو بیان کیا جائے گا تاکہ آج کے اسلامی معاشرہ میں زندگی کرنے والے افراد کے لیے نمونہ عمل پیش کیا جا سکے۔

کلیدی الفاظ: استحکام، خاندان، مثبت رویہ، معاشرہ، قرآن

استحکامِ خاندان اور مثبت فکر

اسلام میں خاندان فرد کی زندگی کا اساسی و کلیدی ادارہ ہے۔ رشتوں کے بندھن معاشرے کی ایک ایسی بنیادی اکائی تشکیل دیتے ہیں کہ معاشرہ کا استحکام و استقرار اس پر تشکیل پاتا ہے۔ اسی لیے خاندان

* ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

کے استحکام کے لیے کئی قسم کے اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔ جن میں صلہ رحمی، باہم الفت و محبت اور رشتوں کا احترام جیسے امور شامل ہیں۔ انسان جس دور میں دن کی مشین اور رات کا درندہ ہو، اخلاقی و روحانی قدروں کو روند کر مادی رویوں کو ترجیح دی جانے لگی ہو، موبائل کے ذریعے عالمگیریت کا پرچار کیا جا رہا ہو اور گھر کے بیمار کے لیے وقت کی قلت ہو، ان حالات میں معاشرتی و خاندانی ہم آہنگی کے لیے ان اقدامات کے علاوہ کسی ایک بڑے بزرگ کا وجود کلیدی کردار ادا کرتا ہے جو مشینی دور کی نذر ہو گیا ہے۔ استحکام و ہم آہنگی کے لیے مثبت فکر اختیار کرنے کا رویہ ایک ایسا عنصر ہے جو دیگر اقدامات کے ساتھ ساتھ ایک ضروری ذہنی تربیت ہے۔ اسی سے عمل کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ مثبت فکری رویے جب افرادِ خاندان میں ہوں گے تو اس کے اثرات پورے معاشرہ پر مرتسم ہوتے ہیں۔ گویا خاندان، معاشرہ اور عالمی معاشرہ میں ہم آہنگی، اطمینان، امن اور محبت کی فضا کے لیے اس رویہ کی تشکیل لازمی امر ہے۔

نبویؐ تعلیمات میں اس رویہ کو اپنانے کی طرف خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن کریم، احادیث اور سیرت کے واقعات اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ جو معاشرے مثبت فکری بنیادوں پر ارتقا کی منازل طے کرتے ہیں وہاں معاشرتی قدریں دیرپا اور مستحکم ہوتی ہیں۔ مثبت فکر کے اس طرزِ عمل کو قرآن کریم کی درج ذیل آیات کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے:

۱۔ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ٱلسَّيِّئَةَ [۱]

آپ برائی کو احسن برتاؤ کے ذریعہ دور کریں۔

اس آیت کے ضمن میں عصرِ حاضر کے ایک مفسر کی درج ذیل تشریح مثبت فکر کی اہمیت کو واضح کرتی ہے:

> ”رسول اکرمؐ کے لیے حکم ہے کہ برائی کو اس نیکی کے ذریعہ دفع کریں جو بہترین ہو۔ اگر وہ بد کلامی کرتے ہیں تو اس کا جواب بد کلامی سے نہ دینا خوبی و حُسن ہے اور اس بد کلامی کے جواب میں اچھا کلام کرنا احسن ہے۔[۲]

اس آیت کریمہ میں جس مثبت روش اپنانے کا حکم دیا گیا ہے وہ ”قولی“ ہے۔ اس طرزِ عمل کا فائدہ کیا ہو گا، اس کا اندازہ اس آیت سے لگایا جا سکتا ہے۔

فَإِذَا ٱلَّذِى بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ[۱]

---

[۱]: المؤمنون:۹۶

[۲]: نجفی، محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۱۳ء، جلد ۵، ص: ۴۰۴

"پس وہ شخص جس کی آپ کے درمیان دشمنی ہے گویا وہ گہرا دوست بن گیا ہے۔"

اس آیت کی انفرادی زندگی میں اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

"یہ تو مسلمانوں کی قومی اور دینی زندگی کا حال ہے۔ انفرادی زندگی میں بھی صحیح اور پائیدار کامیابی حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ کسی شخص نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کچھ نازیبا جملے کہے۔ مکتبِ رسالت کے اس تربیت یافتہ نے جواب دیا:

ان کنت صادقا فغفر اللہ لی وان کنت کاذبا فغفر اللہ لک۔

اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔"[2]

سیدنا علی المرتضیٰ کے خادم قنبر کو کسی نے گالی دی، آپ سن رہے تھے۔ قنبر کو بلند آواز کر کے فرمایا:

یا قنبر دع شاتمک والہ ترضی الرحمن وتسخط الشیطان وتعاقب شاتمک فما عوقب احمق بمثل السکوت عنہ

"اے قنبر! اپنے گالی دینے والے کو چھوڑ دو اور اس کو بھلا دو اس طرح تو رحمان کو راضی کرے گا اور شیطان کو غضبناک کرے گا اور اپنے گالی دینے والے کو سزا دے گا کیونکہ بے وقوف کی یہی سزا ہے کہ اس سے الجھنے کی بجائے خاموشی اختیار کی جائے۔"[3]

ہماری منفی فکر کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ ہم خاندان اور سیاسی سطح پر ایک فرد کا نام لے لے کر برائیاں کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم سے اس حوالہ سے مثبت فکری کا جو پہلو سامنے آتا ہے اس کو سورۃ الاعراف کی اس آیت سے سمجھا جا سکتا ہے:

وَٱتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ٱلَّذِيٓ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَٱنْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ ٱلشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ ٱلْغَاوِينَ[4]

"اے محبوبؐ انہیں اس کا حال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا، شیطان اس کے پیچھے لگا اور گمراہوں میں ہو گیا۔"

سید مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، جس سے مثبت فکری کے اس پہلو کو سمجھا جا سکتا ہے:

---

[1]: حٰم السجدۃ: ۳۴

۲: پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور: جلد ۴، ص: ۳۴۷

[3]: ایضا

[4]: الاعراف: ۱۷۵

" ان الفاظ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ضرور کوئی متعین شخص ہو گا جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ؐ کی یہ انتہائی اخلاقی بلندی ہے کہ وہ جب کبھی کسی کی برائی کو مثال میں پیش کرتے ہیں تو بالعموم اس کے نام کی تصریح نہیں کرتے، بلکہ اس کی شخصیت پر پردہ ڈال کر صرف اس کی بری مثال کا ذکر کر دیتے ہیں تاکہ اس کی رسوائی کیے بغیر اصل مقصد حاصل ہو جائے۔ اس لیے نہ قرآن میں بتایا گیا ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں کہ وہ شخص جس کی مثال یہاں پیش کی گئی ہے، کون تھا؟ مفسرین نے عہدِ رسالت اور اس سے پہلے کی تاریخ کے مختلف اشخاص پر اس مثال کو چسپاں کیا ہے"۔[1]

ہے"۔[1]

ان آیات اور ان کی تشریحات سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ مثبت فکری حسنِ کامل کی حامل ہے۔ اسے قرآن نے احسن طرزِ عمل قرار دیا ہے اور اسی طرزِ عمل کی بنیاد پر انفرادی اور اجتماعی، اندرونی اور خارجی سطح پر استحکام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم حسن اور اس کے تقاضوں کو سامنے رکھیں تو اندازہ ہو گا کہ مثبت فکری کس طرز کی زندگی تشکیل دیتی ہے۔

دوسری طرف اگر احادیث پر نظر دوڑائی جائے تو وہاں بھی مثبت فکری کو اپنانے کی مختلف انداز میں ترغیب دی گئی ہے۔ چند ارشاداتِ نبوی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے دریافت فرمایا:

ما تعدون الصرعة فيكم

تم بہادر اور پہلوان کسے شمار کرتے ہو؟

عرض کی گئی پہلوان تو وہ ہے جسے آدمی پچھاڑ نہ سکیں۔ آپؐ نے فرمایا:

ليس بذٰلك ولٰكنه الذى يملك نفسه عند الغضب۔

نہیں بلکہ وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔[2]

یہ حدیث مثبت فکری کی غماز ہے۔ طاقت ور ہونا اہم نہیں، اس قوت کا صحیح استعمال اہم ہے۔ طاقت کو کس طرح قابو میں رکھنا بہادری ہے۔ جب ہمیں اس حقیقت کی سمجھ آجائے گی تو چیزوں کو دیکھنے کا زاویہ بدل جائے گا۔

---

[1] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۲ء، جلد ۲، ص: ۱۰۰

[2] صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۲۶۰۸

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا [1]

تم بدگمانی سے پرہیز کرو بے شک ظن (بدگمانی) سب سے جھوٹی بات ہے، آپس میں ایک دوسرے کی برائی کی تلاش میں نہ لگے رہو اور ایک دوسرے کے خفیہ معاملات کو معلوم نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرو بلکہ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کے رہو۔

اس حدیث میں منفی فکری رویوں کو بیان کرنے کے بعد ایک مثبت فکری رویہ کا ذکر کر دیا کہ "کونوا عباد اللہ اخوانا" اس جملہ کے ذریعہ آپؐ نے اسلامی معاشرت میں مثبت فکری کی بنیاد فراہم کر دی۔ قرآن کریم نے انما المؤ منون اخوۃ کہہ کر اس بنیاد کی طرف اشارہ کیا اور حدیث نبویؐ نے ان منفی رویوں کی طرف اشارہ کر دیا جو اس مثبت فکری کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

خاندان کے لیے صلہ رحمی کی اصطلاح متعارف کروا دی جس کے ذریعے ان تمام مثبت رویوں کو اپنانے اور منفی رویوں سے اجتناب کا پیغام ملتا ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

أ تدرون ما المفلس؟

کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟

صحابہ نے عرض کی کہ ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم نہ ہوں، آپؐ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے مگر اس شخص نے دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا خون بہایا، کسی کو مارا، تو ایسے میں اس منفی سوچ رکھنے والے، گالم گلوچ کرنے والے اور ظلم کرنے والے کی نیکیاں مظلومین کو مل جائیں گی۔ [2]

---

[1]: بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب تعلیم الفرائض، رقم الحدیث: ۶۷۲۴

[2]: مسلم، امام، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث: ۲۵۸۱

اس حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے کس طرح سوچ کے انداز کو بدلا۔ مفلس مال سے محروم آدمی نہیں بلکہ اپنی نیکیوں سے محروم رہ جانے والا ہے اور اس کا سبب وہ سارے اعمال ہیں جو منفی فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس طرز کا واقعہ ہمیں سیرتِ نبی رحمتؐ میں بھی نظر آتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

آج خون ریزی کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت کا لحاظ بھی نہیں رکھا جائے گا۔

مگر آپؐ نے فرمایا: سعد نے غلط کہا، آج تو اللہ تعالیٰ کعبہ کو خصوصی عظمت بخشے گا اور آج کعبہ کو نیا غلاف پہنایا جائے گا۔

نبی کریمؐ نے منفی فکر کے طرزِ عمل کی بجائے ایک ایسا طریقہ پیش کیا جس سے مثبت فکری کا رویہ سامنے آتا ہے۔ آپؐ نے منفی فکر کے جملہ کو ہی نہیں بدلا بلکہ ایسا جملہ کہنے والے کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ یہ لوگ بارگاہِ نبویؐ کے تربیت یافتہ تھے۔ بتقاضائے بشریت اور اس خاص ماحول کی ضرورت کے تحت کچھ ایسے کلمات، جو جنگی حالات میں روا تھے، کہہ دیے مگر جب سعدؓ کی جگہ جھنڈا آپ کے بیٹے کو دیا گیا تو فوراً سعدؓ نے عرض کی کہ یہ جھنڈا اسے نہ دیا جائے مبادا کوئی غلط کام کر بیٹھے۔[1] اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نبوی تربیت مثبت فکری کے رویوں کی حامل تھی اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے اسی فکر کی آج ضرورت ہے۔ حیات نبوی میں متعدد ایسے مواقع آئے جب کفار و مشرکین نے تنگ کرنے اور اذیت دینے کی انتہا کر دی۔ ایسے مواقع پر اگر زبان اقدس سے دعائے ضرر نکل بھی جاتی تو ان کے طرزِ عمل کے مطابق بجا تھی۔ اگرچہ یہ بالمثل کے زمرہ میں آتی مگر ایسے موقعوں پر بھی آپؐ نے امت کو جو اسوہ عنایت فرمایا وہ مثبت فکر تھا۔ طائف کے موقع پر جب جبریل پہاڑوں کے فرشتہ کے ساتھ حاضر ہوئے اور ان لوگوں کو کچل ڈالنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا:

بل أرجو ان یخرج الله من اصلابھم من یعبد الله وحده لایشرک به شیئا[2]

[1] : فتح الباری، جلد ۱۶، ص: ۱۷۷

[2] : بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدأ الخلق، باب اذا قال احدکم امین والملائکۃ فی السماء۔۔۔ رقم الحدیث: ۳۴۳۱

بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی ہی عبادت کریں گے۔

یہ الفاظ اس بات کا مظہر ہیں کہ کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ امید کی کرن معاشروں کو مثبت فکری کی طرف لے کر جاتی ہے۔ مایوس خاندان اور معاشرے ایسے منفی رویوں کا شکار ہوتے ہیں جو بدامنی اور اشتعال و نفرت پر مبنی جذبات کو برانگیخت کرتے ہیں۔ یہ جملے اس حقیقت کو بھی واضح کرتے ہیں کہ اکابرین، قائدین اور سربراہِ خاندان کو بلند ہمت اور بلند حوصلہ ہونا چاہیے۔ یہ بلند حوصلگی معاشرے کو فکری طور پر مستحکم اور پائیدار کرے گی۔

سیرت النبیؐ کا ایک اور واقعہ فتح مکہ کے موقعہ پر عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے کلیدِ کعبہ لے کر انہی کو واپس کر دینا ہے۔ برسوں پہلے جب آپؐ کعبہ میں داخل ہونا چاہتے تھے تو یہی عثمان بڑی بد خلقی سے پیش آیا تھا۔ آپؐ نے برہمی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ نرمی سے فرمایا:

يا عثمان لعلک هذا المفتاح يوما بيدی أضعه حيث شئتُ

اے عثمان یاد رکھو ایک دن آنے والا ہے جب تو دیکھے گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔

عثمان نے کہا کہ اس روز قریش کی عزت خاک میں مل چکی ہو گی۔

آپؐ نے فرمایا (یہ جواب معاشرہ میں مثبت قدروں کو فروغ دیتا ہے):

جس دن یہ چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اس روز قریش ذلیل و خوار نہیں ہوں گے بلکہ ان کی عزت و شوکت کا دن ہو گا۔[1]

مندرجہ بالا آیات، احادیث اور واقعاتِ سیرت اس بات کے شاہد ہیں کہ اسلام کا مجموعی مزاج اور تعلیماتِ نبوی کا مجموعی رنگ مثبت فکری کے رویوں کو پروان چڑھانا ہے۔ خاندان کے حوالہ میں اس رویے کی ترویج کے لیے جو احکامات ہیں، اس کی بہترین مثال زوجین میں باہم نزاع کی صورت میں جاری ہونے والا قرآنی فرمان "والصلح خير" ہے۔ یہ چھوٹا سا جملہ ہے مگر ایک جامع اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس آیت میں یہ جملہ اگرچہ خانگی اختلافات سے متعلق آیا ہے لیکن واضح ہے کہ یہ ایک کلی اور عمومی قانون ہے۔ جو ہر ایک کے لیے ہر مقام پر ہے۔ صلح و صفائی، دوستی اور محبت کو ہر مقام پر پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ نزاع و کشمکش اور ایک دوسرے سے دوری انسان کی طبعِ سلیم اور پرسکون زندگی کے خلاف ہے۔ اس لیے استثنائی صورت میں جہاں ناگزیر ہو اور اس کے سوا نزاع اور دوری کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اس

[1] : پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۱۸ھ، جلد ۴، ص: ۴۶۹

کے برعکس بعض مادہ پرستوں کا خیال ہے کہ انسانی زندگی کی پہلی بنیاد دیگر جانوروں کی طرح بقا کی کشمکش اور تنازع ہے اور اس طرح تکامل اور ارتقاء صورت پذیر ہوتا ہے۔ شاید یہی طرزِ فکر گزشتہ چند صدیوں کی بہت سی جنگوں اور خون ریزیوں کا سر چشمہ ہے۔ حالانکہ انسان اپنی عقل و ہوش کے سبب دیگر جانوروں سے مختلف ہے اور اس کی ارتقاء و تکمیل کا ذریعہ تنازع نہیں تعاون ہے۔[1]

واقعاتِ سیرت پر غور کریں تو ہمیں متعدد واقعات جو ازواجِ مطہرات کے بارے میں ہیں یا خاندان کے حوالہ سے تعلیمات کے ضمن میں ہیں ان سے اسلام کی اس مجموعی روش کا پتا چلتا ہے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنھا کا اعتکاف کے دنوں میں مسجد میں حاضر ہونا اور واپس جاتے ہوئے دو انصاریوں کا آپؐ کو سلام کہنا، آپؐ نے فرمایا انما ھی صفیه بنت حیی (یہ صفیہ بنت حیی ہی ہیں۔) صحابہ کو یہ وضاحت بہت سخت لگی تو آپؐ نے فرمایا:

> ان الشیطان یبلغ من الانسان مبلغ الدم وانی خشیت ان یقذف فی قلوبکما شیئا
>
> "بے شک شیطان انسان کے خون کی جگہ پہنچ جاتا ہے اور مجھ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ وہ تمھارے دلوں میں کوئی چیز ڈال دے گا۔"[2]

اس حدیث سے نبی اکرمؐ کا یہ اسوہ سامنے آتا ہے کہ جہاں منفی رویے کے پیدا ہونے کا کسی درجے میں بھی امکان ہو وہاں ضروری ہے کہ ایسے رویے کا اظہار کیا جائے جس سے وہ امکان ختم ہو جائے۔

بچوں کے نام رکھنے کے حوالے سے بھی اگر اسوۂ نبیؐ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپؐ نے ہر ایسے نام کو تبدیل فرمایا جس سے منفی طرزِ فکر جنم لے سکتا تھا، جیسے ذاتی عُجب، خود ستائشی اور اپنی پارسائی جیسا تاثر دینے والے سب ناموں کو آپؐ نے تبدیل فرما دیا۔ مثلاً

ا۔ زینب بنت ام سلمہ کا نام برّہ سے تبدیل کر کے زینب رکھا گیا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اپنے آپ کی پاکیزگی بیان نہ کرو۔

---

[1] : شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، مترجم: مولا سید صفدر حسین، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور: ۱۴۱۷ھ، جلد ۲، ص: ۶۰۶

[2] : بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاعتکاف، باب ھل یخرج لحوائجہ الی باب المسجد، رقم الحدیث: ۲۰۳۵

۲۔ رباح، یسار، نجیح اور افلح جیسے نام ایک منفی تاثر بایں طور ظاہر کرتے تھے کہ اگر پوچھا جائے کہ افلح موجود ہے، تو اگر جواب دینے والا کہے ''نہیں'' تو یہ فکری اور اخلاقی نکتہ نظر سے درست نہیں ہے۔

۳۔ اچھے نام سے مثبت تاثر لینے کی مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر سامنے آتی ہے جب سہیل بن عمرو آئے تو آپؐ نے قاصد کے نام کی مناسبت سے فرمایا کہ تمھارا معاملہ آسان ہو گیا ہے۔

خاندانی امور میں اگر مثبت فکر کے ان رویوں کا اظہار کیا جائے تو خاندانوں میں پیدا ہونے والے مختلف نوعیت کے مسائل نہ صرف ختم ہو سکتے ہیں بلکہ باہمی محبت اور بھائی چارے کو بھی فروغ دیا جا سکتا ہے۔

مصادر و مراجع

۱. نجفی، محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۱۳ء
۲. پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۳. مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۲ء
۴. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح
۵. صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم
۶. فتح الباری
۷. شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، مترجم: مولا سید صفدر حسین، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور: ۱۴۱۷ھ